© rasailojaraid.com

مقالہ پہ تنقید

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب۔ ماموں کانجن۔ (لائل پور)
رکن اعزازی الحق

عمر احمد عثمانی کی تحریفات کا اجمالی جائزہ

یتیم پوتے کی وراثت

"یتیم پوتے کی وراثت" مشمولہ فکر و نظر جلد ۳ ش ۴ ۔ ۵ ۔ ۶ سے مندرجہ ذیل اقتباسات بلفظہٖ ماخوذ ہیں۔۔۔ تنقید اقتباسات اور فٹ نوٹ کی شکل میں ہے۔۔۔ "ادارہ"

مولانا مودودی[1] کا فتویٰ | فقہائے اسلام میں یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں جس پوتے کا باپ مرگیا ہو وہ وارث نہیں ہوتا۔ بلکہ وارث اس کے چچا ہوتے ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس میں شیعوں[2] کے علاوہ کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔ اگرچہ ابھی تک مجھے قرآن و حدیث میں کوئی ایسا صریح حکم نہیں ملا ہے، جسے فقہا کے اس متفقہ فیصلہ کی بنا قرار دیا جاسکے لیکن بجائے خود یہ بات کہ فقہائے امت سلف سے خلف تک " اس پر متفق ہیں، اس کو اتنا قوی کردیتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی رائے دینا مشکل ہے " الخ (رسالہ ترجمان بابت ماہ مارچ ۱۹۵۲ء)
(فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۵ء، صہ ۳۰۴)

---

[1] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ اقتباس (مع اختصار) اس لئے نقل کرنا ناگزیر ہوا، کہ فاضل مقالہ نگار نے اسی کو "طرح مصرع" قرار دیا ہے۔ اسے نقل کئے بغیر ان کے آئندہ اقتباسات کا مفہوم واضح نہ ہو سکتا۔

[2] بظاہر مولانا کا یہ تسامح ہے، ورنہ شیعہ حضرات کا بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ ان کی معتبر کتب من لایحضرہ الفقیہ، الاستبصار اور فروع کافی وغیرہ میں تصریح ہے، کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوتا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ مولانا کی نقل کا ماخذ کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات کا تبنگڑ "مولانا موصوف نے اپنے اس جواب میں اس امر کا اعتراف فرمالیا ہے، کہ مولانا موصوف کو اپنی انتہائی[1] کوشش کے باوجود" قرآن و حدیث میں ایسا کوئی صریح[2] حکم نہ ملا جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد قرار دیا جاسکے۔ اور نہ صرف یہ کہ مولانا موصوف ہی کو ایسا کوئی صریح حکم نہیں مل سکا جسے فقہاء کے متفقہ فیصلہ کی بنیاد کہا جاسکے۔ بلکہ اس پورے بارہ سال کے عرصہ میں پورے ملک میں کسی دوسرے عالم[3] دین نے بھی آج تک نہ کوئی قرآن کریم کی صریح آیت پیش فرمائی ہے۔ اور نہ کوئی صریح اور صحیح حدیث نبوی، جس کے معنی یہ ہیں کہ پورے پاکستان میں کسی عالم دین کو آج تک کوئی قرآن و حدیث کا ایسا صریح حکم نہیں مل سکا۔ جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد و بنایا جاسکے (ایضاً ص ۳۰)

سلف سے خلف تک تمام امت پر تحریف کا الزام اور اس کے مبادیات مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت[4] راشدہ کے آخری وقت یعنی شہادت عثمانؓ (۳۵ھ) تک شاہ صاحبؒ کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف[5] نہیں ہوا۔ وہ اس دور کو "دورِ اجماع[6]" کہتے

۱۔ یہ "انتہائی کوشش" کا صریح پیوند مذکورہ کی عبارت سے کیسے نکل آیا۔

۲۔ نفی "صریح حکم" کے ملنے کی کی گئی ہے، یا "وجود حکم کی قطعی نفی" کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ جو حکم قرآن و حدیث میں صراحتہً موجود نہ ہو، بلکہ کسی آیت یا حدیث سے صحیح اصول استنباط کے ساتھ مستنبط اور "سلف سے خلف تک" تمام امت کا بلا کسی اختلاف کے اس کے استنباط کی صحت پر اتفاق ہو آپ اسے کس "صریح دلیل" سے رد کر دیں گے۔

۳۔ یہ برخود غلط پروپیگنڈا ہے، جو فکر و نظر کے فاضل دفقیہ مقالہ نگار" کی ذہنی غذا ہے، اس کے لئے کم از کم "بینات" دسمبر ۱۹۶۲ء اور ماہ جنوری ۱۹۶۳ء میں مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کے عالمانہ مقالہ کا مطالعہ فرمالیا جائے، لیکن اس کا کیا علاج کیا جاسکتا ہے کہ الحاد اور زندقہ کے پردے عقل و بصیرت پر چھائے ہوئے ہیں۔ ع چہ کنم چشم بدخو نہ کند کس نگاہ ہے۔

۴۔ اس سے کسی کو یہ وہم نہ ہونا چاہیئے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک خلافت راشدہ ۳۵ھ پر ختم ہو گئی اور یہ کہ معاذ اللہ شاہ صاحب کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت، خلافتِ راشدہ نہ تھی، بلکہ یہاں خلافتِ راشدہ سے مراد وہ خلافت خاصہ ہے، جس میں دورِ نبوت کی برکات پوری طرح موجود تھیں، تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء کا مطالعہ فرمایا جائے۔

۵۔ یعنی عقاید و نظریات کا اختلاف، ورنہ فروعی مسائل کا اختلاف اس وقت بھی تھا، ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۱ باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع۔ ۶۔ یعنی جو مسائل اس دور میں بلا کسی اختلاف کے تسلیم کئے گئے، وہ مسائل ابدی [illegible] ہیں کہ ان میں اختلاف کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، اسکی تفصیل ازالۃ الخفاء میں مذکور ہے، شہادتِ عثمانؓ کے بعد اختلاف شروع ہوا اب وہی اجماع مستند ہوگا۔

ا؎ مقالہ نگار نے امت کے اس اجماعی فیصلہ کو۔ کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوتا۔ تحریف قرار دینے کیلئے، بلافہم و تدبر، شاہ صاحبؒ کی دو عبارتیں پیش کیں، ایک حضرت سندھیؒ کی روایت سے، اور دوسری خود شاہ صاحبؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے اردو ترجمہ سے، ہم نے یہ دونوں عبارتیں یہاں من وعن نقل کردیں ہیں، لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان دونوں عبارتوں سے" امت کے سلف سے خلف تک" یہ تحریف کا" قرطاسِ ابیض" کیسے مرتب کرلیا گیا۔ کیونکہ پہلی عبارت کا مفاد صرف اتنا ہے۔ کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک خلافتِ خاصہ کا دور، "دورِ اجماع" کہلانے کا مستحق ہے، اس لئے اس دور میں جو مسائل محلِ نزاع نہیں بنے، ان کو" اجماعی مسائل" کہا جائے گا، اور بعد میں کسی کو یہ حق نہیں ہوگا، کہ ان میں مشاغبہ کرے، چنانچہ ازالۃ الخفاء میں ——— جس کا حوالہ مولانا سندھیؒ نے دیا، اور مقالہ نگار کو اصل کتاب سے نقل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ٹھیک یہی بات شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

شرائع ملتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) دو قسم است، قسمے آنست کہ پردہ از روئے حقیقت دراں قسم برانداختہ شد و تکلیف ناس بآں متحقق گشت، اگر کسے بشبہ ضعیفہ متمسک شدہ بخلاف آں قائل شود معذور نگردد، و مقلدِ آں قائل نیز معذور نہ باشد، فی الحقیقت مدارِ شریعت ہماں احکام است و تسنن و ابتداع بقبول و ردِ آں منوط "و عندکم من اللہ فیہ برھان —" برہان صادق و آں ماخوذ است از صریحِ کتابؐ یا صریحِ سنتِ مشہورہ یا اجماعِ طبقۂ اولیٰ، یا قیاس جلی بر کتاب و سنت، چوں حکمے بایں وجہ ثابت شود مجالِ خلاف نماند و مخالف آں معذور نباشد۔

دینِ محمدی (صلی اللہ علی صاحبہ وسلم) کے احکام دو قسم پر ہیں، ایک قسم وہ ہے، کہ ان میں اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے۔ (شریعت نے انکو صاف کھول کر بیان کردیا۔) اور لوگوں کا ان احکام کے ساتھ مکلف ہونا ثابت ہوچکا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی کمزور شبہ کو دستاویز بنا کر ان احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ قطعاً معذور نہ ہوگا، اور نہ اس کا مقلد معذور ہوگا۔ درحقیقت مدارِ شریعت یہی احکام ہیں، سنی اور بدعتی ہونا ان ہی احکام کے قبول کرنے یا رد کردینے سے وابستہ ہے، اور عندکم من اللہ فیہ برھان۔ (تمہارے پاس اللہ کی جانب سے اس میں واضح دلیل آچکی ہو) ان ہی احکام پر صادق ہے اور یہ وہ احکام ہیں جو صریح کتاب اللہ یا صریح سنتِ مشہورہ یا طبقۂ اولیٰ کے اجماع، یا کتاب و سنت

(ازالۃ الخفاء [illegible]) [illegible] چنانچہ جب کوئی

© rasailojaraid.com

جو مذکورہ دورِ اوّل کے تتبع میں منعقد ہو، شاہ صاحبؒ اسی دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں۔ اسکی پوری تفصیل

حکم ان چار میں سے کسی ایک وجہ سے ثابت ہوگا، اس میں مخالفت کی کوئی گنجائش نہ رہے گی، اور ایسے حکم کی مخالفت کرنے والا معذور نہ ہوگا۔

اس کے بعد "دوسری قسم اجتہادی مسائل" کو ذکر کرنے کے بعد اگلے صفحہ پر، خلفائے راشدین کی قرشیت ان کے سوابقِ اسلامیہ، اور بشارتِ جنت کو قسم اوّل میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حجۃ اللہ بر منکران آنہا قائم است و شبہاتِ ایشاں عند اللہ معذور نہ ساختن ایشاں را، و منکرِ ایشاں مبتدع است دور از حق "برہان اللہ" اور از بساطِ محمّدیین صلی اللہ علیٰ متبوعہم مطرود و مقہور گردانیدہ بدعتِ مکفرۃ عند البعض و مفسقۃ عند الآخرین۔	ان امور کے منکرین پر حجت الٰہی قائم ہے، اور ان کے واہی تباہی شبہات انہیں عند اللہ معذور نہیں بنا سکتے، ان امور کا منکر مبتدع ہے۔ حق سے دور ہے۔ برہان الٰہی نے اسے محمدیین (صلی اللہ علیٰ متبوعہم) کی بساط سے مطرود و مقہور کر کے باہر نکال دیا ہے۔ ان کی یہ بدعت بقولِ بعض موجب کفر ہے۔ اور بعض کے نزدیک بدترین فسق کی موجب ہے۔

(ازالۃ الخفاء، ص [illegible])

شاہ صاحبؒ کی ان تصریحات سے واضح ہے، کہ جو احکام طبقۂ اولیٰ میں محلِ نزاع و بحث نہیں رہے، بلکہ انہیں بالاتفاق تسلیم کیا گیا، ان میں اور کسی مخالف رائے کا اظہار اس دور میں نہیں ہوا وہ احکام اسی طرح قطعی ہیں، جس طرح صریح کتاب اللہ، اور صریح سنتِ مشہورہ سے ثابت شدہ احکام قطعی ہیں۔ ایسے احکام کی مخالفت کرنے والا شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں، بدعتی، حق سے دور، اور ملتِ اسلامیہ سے مطرود و مقہور کہلائے گا۔ وہ ہزاروں شبہاتِ رکیکہ پیش کرے لیکن نہ وہ عند اللہ ان شبہات کی وجہ سے معذور ہوگا، نہ اس کے یہ شبہات کسی درجہ میں مستحقِ توجہ قرار دیئے جائیں گے۔

اب ہم مقالہ نگار سے ان ہی کی پیش کردہ شہادت کو سامنے رکھ کر سوال کرتے ہیں کہ کیا دورِ نبوت اور دورِ خلافتِ راشدہ (یا مولانا سندھیؒ کے الفاظ میں "دورِ اجماع") میں کسی پوتے کو بیٹے کی موجودگی میں میراث دلائی گئی۔؟ یا کیا یہ مسئلہ دورِ اجماع میں کبھی نزاع و اختلاف کا نشانہ بنا۔؟ کیا ہیکل اور محمد امین مصری جیسے لوگوں نے بھی کوئی ایسا واقعہ نقل کیا۔؟ اگر نہیں (اور یقیناً نہیں) تو کیا وہ خود اپنے پیش کردہ آئینہ میں اپنی بدعت مکفرہ یا مفسقہ، حق سے دوری، اور بساطِ محمدیین سے مطرودیت و مقہوریت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ازالۃ الخفاء میں موجود ہے۔ (ماہنامہ الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر)

اس کے بعد خود حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ:

"اور اسبابِ تحریف میں اجماع کی پیروی ہے۔ اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ حاملین دین کا ایک

ہے یا تک سا چہرہ دیکھنا پسند کریں گے۔؟

لگے ہاتھوں یہ بھی فرما دیا جاتے، کہ آپ کا نام نہاد "ادارہ تحقیقات" جو صرف اجماعی مسائل کو نہیں بلکہ صریح کتاب اور صریح سنت مشہورہ کے قطعی مسائل کو بھی وقتی اور ہنگامی قرار دیکر بدل ڈالنا "کارِ ثواب" قرار دیتا ہے، شاہ صاحبؒ کے نزدیک اسکی بدعت، حق سے دوری، مطرودیت و مقہوریت، خروج از ملت اسلامیہ اور تکفیر عند البعض یا تفسیق اشد الفسق عند آخرین کا مقام بلند کیا ہوگا۔؟

یہ دوسری عبارت ہے۔ جو امت پر تحریف کی فرد جرم عائد کرنے کی غرض سے مقالہ نگار نے حجۃ اللہ کے" اردو ترجمہ سے نقل کی ہے، ہم نے اپنے ناظرین کی سہولت کے لئے اسے توسین کے ذریعہ دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے حصہ میں شاہ صاحب (اسباب تحریف کو شمار کرتے ہوئے) ایسے اجماع کو موجب تحریف قرار دیتے ہیں جس کی دعوت آج کل ادارہ تحقیقات اسلامی کی جانب سے دی جارہی ہے یعنی کسی ملک کے یا چند ممالک کے کچھ لوگ مل کر اگر کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں۔ خواہ قرآن و حدیث میں اسکی کوئی سند نہ ہو۔ تو اس کے بارے میں یہ باور کرایا جائے گا کہ ہمارے دور میں یہی دینی مسئلہ ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، کہ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہوگا، بلکہ اسے شرعی مسئلہ قرار دینا شریعت محمدیہ میں تحریف ہے، اگر ایسے نام نہاد اجماع کو صحیح مانا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے، کہ چند ہی سالوں میں دین اسلام کا حلیہ بگڑ جائے گا۔ اور شریعت محمدیہ بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گی۔

بظاہر شاہ صاحبؒ کا مقصد یعنی اسباب تحریف کا بیان کرنا۔ اتنے فقرہ سے پورا ہو جاتا تھا، لیکن ان کی "ایمانی فراست" کو فوراً تنبہ ہوا۔ کہ کہیں ان کی اس عبارت سے کسی زندیق کو "اجماع امت" کے خلاف زہر افشانی کا موقعہ نہ مل جائے، اس لئے وہ معاً بطور استدراک فرماتے ہیں۔

(واضح رہے کہ) "یہ اجماع، اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے"

اب اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ شاہ صاحبؒ "اجماع امت" کی طرف سے خود بخود وکیل صفائی پیش ہو کر اعلان فرماتے ہیں کہ "ملت بیضاء تک کے کسی متفقہ فیصلہ اور اجماعی مسئلہ کو اسباب تحریف قرار دے کر جھٹلا دینا نہ صرف غیر صحیح ہے بلکہ خود تحریف کا موجب ہے، اب اس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرقہ (گروہ - جماعت) جنکی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہو کہ اُن کی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوتی ہے، کسی امر پر اتفاق کرے، اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کے لئے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے، اور یہ اجماع ایسے امر میں ہے جسکی قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں ملتی"

(یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے، کیونکہ سب کے سب لوگ ایسے اجماع پر متفق ہیں، جسکی سند قرآن و حدیث میں ہو، یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو، اور لوگوں نے ایسے اجماع کو جائز قرار نہیں دیا جسکی سند قرآن و حدیث میں کوئی بھی نہ ہو۔) چنانچہ اس قول الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہے۔ "اور جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ جو خدا تعالیٰ نے نازل کی ہیں تو وہ بھی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان ہی باتوں کی

شاہ صاحبؒ کی دلیل سنیئے، فرماتے ہیں:

"کیونکہ "سب کے سب لوگ" ایسے اجماع پر متفق ہیں جسکی سند قرآن و حدیث میں ہو، یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو"

یعنی شاہ صاحبؒ پوری ذمہ داری سے اعلان کرتے ہیں، کہ امت محمدیہ کا اجماع صرف ان ہی مسائل پر ہوا ہے، اور "سب کے سب لوگ" صرف انہی اجماعی مسئلہ پر متفق ہوئے ہیں جنکی سند قرآن و حدیث میں صراحۃً یا استنباطاً پائی جاتی ہے۔ اور ایسے کسی مسئلہ پر امت متفق نہیں ہوتی جسکی سند قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو۔ نہ ایسے اجماع کو صحیح کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک امت کے تمام اجماعی مسائل قرآن و حدیث کی صراحت یا استنباط پر مبنی ہیں، اور چونکہ استنباط کبھی خفی ہوتا ہے، اسلئے ضروری نہیں کہ کالج کے چند گریجویٹوں یا کسی مغربی قسم کی یونیورسٹی کے چند پروفیسروں کو بھی سند اجماع کا علم ہو، اور یہ کہ اجماع امت کی مخالفت براہِ راست قرآن و حدیث ہی کی مخالفت ہے، اس لئے "خرقِ اجماع" حرام ہے، بلکہ بعض مواقع میں کفر ہے۔ (ملاحظہ ہو اکفار الملحدین فی ضروریات الدین)

اب مقالہ نگار بتلائیں کہ شاہ صاحبؒ کی یہ دونوں عبارتیں انہوں نے کس مرض کے علاج کے لئے نقل کر دیں، کیا وہ شاہ صاحبؒ کی تصریح کے علی الرغم صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اجماع کو چیلنج کریں گے؟

کیا ان کی عقل یہ باور کرتی ہے، کہ تمام صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین، دین میں تحریف کے مرتکب رہے ہیں اور کیا ان کے اس "خانہ ساز" نظریہ میں کوئی جان ہے۔ کہ چودہ صدیوں کی امت قرآنی حکم (پوتے کی میراث بیٹے کی موجودگی میں) کے بارے میں ٹھوکریں کھاتی رہی۔ اور جب سے قلم مقالہ نگار ایسے "اہل تحقیق" کے ہاتھ آیا، تب لوگوں کی آنکھیں کھلیں ان کے لئے چودہ طبق روشن ہو گئے، اور انہیں یکایک انکشاف ہوا کہ اُف! تمام امت نے تو اس مسئلہ میں غلطی کا ریکارڈ توڑ دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے" (اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۲۰۸ مطبوعہ نور محمد کراچی)

ان تصریحات کی روشنی[۱] میں ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا، کہ:

(۱) کیا شہادت عثمانؓ سے پہلے پہلے حضرات صحابہ کرام نے کبھی کسی مقام پر مجتمع[۲] ہو کر بالاتفاق اپنے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا تھا، کہ ہم اس امر پر اجماع کرتے ہیں کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی میراث سے حصہ نہیں پا سکے گا، اور سارا ترکہ اس کے چچا کو مل جائیگا، اگر حضرات صحابہ کرامؓ نے ایسا کوئی اعلان[۳] شہادت عثمانؓ سے پہلے پہلے فرمایا تھا تو کہاں

---

۱ لیکن کیا انہی تصریحات کی روشنی میں مقالہ نگار اپنے اور اپنے ادارہ تحقیقات کے موقف کا جائزہ لینے کیلئے بھی تیار ہوں گے،

۲ "اجماع صحابہ" کا مفہوم ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، یعنی دور صحابہؓ میں وہ مسئلہ بغیر کسی اختلاف کے رہا ہے، ابھی ابھی آپ کے سامنے آئے گا، کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتے کے وارث نہ ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع تھا، البتہ "اجماع صحابہ" کا یہ عجیب و غریب مفہوم جس کا مطالبہ مقالہ نگار فرماتے ہیں۔ یعنی "صحابہؓ کا کسی ایک مقام پر مجمع ہو کر بالاتفاق اعلان کرنا" یہ بجائے خود غلط، خانہ ساز، اور مضحکہ خیز ہے۔ اس کے لئے بھی شاہ صاحبؒ ہی کی تصریح ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

ومعنی اجماع کہ بر زبان علمائے دین شنیدہ باشی	اجماع کا لفظ تم نے علماء کی زبان سے سنا ہوگا۔
آں نیست کہ ہمہ مجتہدان لا یشذ فرد در عصر	اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ تمام مجتہدین سب کے سب
واحد بر مسئلہ اتفاق کنند زیراکہ ایں صورتے	کسی زمانہ میں کسی مسئلہ پر اس طرح اتفاق کرلیں کہ
ست غیر واقع بل غیر ممکن عادی۔	کوئی مجتہد بھی اس سے خارج نہ رہے۔ کیونکہ یہ صورت
(ازالۃ الخفاء ج ا صنا)	نہ صرف یہ کہ واقعہ کے خلاف ہے، بلکہ عادۃً ناممکن
	بھی ہے۔

شاہ صاحبؒ صحت اجماع کے لئے عصر واحد کے تمام مجتہدین کے اتفاق کی شرط کو طفلانہ تصور قرار دیتے ہیں، لیکن مقالہ نگار اس میں "ایک مقام پر جمع ہو کر متفقہ اعلان" کی شرط کا اضافہ فرماتے ہیں۔

۳ از راہ کرم پہلے "اجماع صحابہؓ کے مفہوم کی تصحیح کر لیجئے۔ اس کے بعد "وہ کہاں ہے کی نشاندہی" کا شکنجہ، امام مالکؒ فرماتے ہیں:

ا۔ وہ امر جس پر ہمارے یہاں سب کا اتفاق ہے، اور جس پر میں نے ہمارے شہر (مدینہ طیبہ) کے اہل علم کو پایا ہے۔ یہ ہے کہ پوتوں کی حیثیت وہی ہے جو بیٹوں کی ہے۔ بشرطیکہ ان سے اوپر کے درجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکی نشاندہی ہونی چاہئے۔

۲۔ اگر ایسا اجماع منعقد ہوچکا ہے تو اسکی سند قرآن کریم کی کونسی آیت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کونسے ارشاد سے ملتی ہے، یا وہ کونسی قرآنی آیت یا کونسی حدیث نبوی سے مستنبط ہے۔ کیونکہ شاہ صاحبؒ کی تصریح کے موافق اس کے بغیر فقہاء کرام کے نزدیک کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا۔

میں بیٹے موجود نہ ہوں، پوتوں کا حکم اس صورت میں بیٹوں کا سا ہے، اور پوتیوں کا بیٹیوں کا سا۔ وہ بیٹوں کیطرح وارث اور حاجب ہوں گے۔ البتہ صلبی بیٹا اور پوتا جمع ہوجائیں۔ تو اس صورت میں میراث صرف صلبی بیٹے کو ملے گی اور پوتے پوتی کا میراث میں کوئی حق نہ ہوگا۔ (مؤطا امام مالکؒ)

۲۔ یہ تو امام دارالہجرت کی شہادت اپنے وطن مالوف (مدینہ طیبہ) کے تمام اہل علم (صحابہ و تابعین) کے اجماع کے متعلق ہوئی، اب اس پر شاہ صاحبؒ نے جو مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیے:

قلت: علی ھذا اتفق اھل العلم ۔۔ میں کہتا ہوں کہ تمام اہل علم کا اسی پر اتفاق ہے۔

(المسوی شرح المؤطا مطبوعہ مکہ مکرمہ ص ۲۶ ج ۲)

۳۔ مقالہ نگار کے مسلم و معتمد علیہ قاضی شوکانیؒ تفسیر فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

ولا خلاف ان البنین فی المیراث کالبنین مع عدمھم (ص ۳۹۶ ج ۱) ۔۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ پوتوں کا حکم بیٹوں کا سا ہے، بشرطیکہ بیٹے موجود نہ ہوں۔

۴۔ مقالہ نگار نے امام ابوبکر جصاص رازیؒ کی طویل عبارت تو نقل فرمادی لیکن اس کا آخری فقرہ ہضم کرگئے، یعنی:

وھذا قول اھل العلم جمیعاً من الصحابۃ والتابعین ۔۔ (اور بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا وارث نہ ہونا) یہ تمام اہل علم یعنی صحابہ و تابعین کا قول ہے۔

(احکام القرآن ص ۱۰۲ ج ۲)

یہ تین چار حوالے ہم نے صرف ان اکابر کے نقل کئے ہیں، جن سے مقالہ نگار نے بار بار استشہاد کیا ورنہ ابن حجر، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، علامہ عینیؒ، حافظ ابن حزمؒ وغیرہ تمام اکابر امت کی معتبر کتب اٹھا کر دیکھئے آپ کو اس مسئلہ میں صحابہ، تابعین، اور تمام امت کا اجماع ہی ملے گا، اگر مقالہ نگار اور ان کی جماعت کو ان حضرات میں سے کسی کی نقل پر بھی اعتماد نہیں، تو ہم "خدا حافظ" کے سوا اور کیا عرض کرسکتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ مقالہ نگار خدا لگتی کہیں، کہ اگر یہی شہادتیں ان کے حق میں ہوتیں تو وہ کسی کو ان "لن ترانیوں" کی اجازت دیتے۔؟

ؔ ہم اس سے پہلے ان ۔۔۔ کا ۔۔۔ ہے جن پر مقالہ نگار کو
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳- اگر ایسی کوئی بات نہیں (اور ظاہر ہے کہ ایسی[1] کوئی بات نہیں ہے۔) تو کیا ایسے کسی اجماع یا اتفاق کو جس کی سند قرآن و حدیث[2] سے نہ مل سکے، اور نہ ہی وہ قرآن و حدیث سے مستنبط ہو فقہا کے متفقہ فیصلہ کی بنا پر جائز کہا جا سکتا ہے۔

بھی اعتماد کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ——— پیش کر چکے ہیں۔ پھر اجماع امت بالخصوص اجماع طبقۂ اولیٰ کی اہمیت بھی شاہ صاحبؒ کی تصریحات سے عرض کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحبؒ کی جس عبارت کو سامنے رکھ کر مقالہ نگار نے امت کے خلاف تحریف کی دستاویز مرتب کی ہے، اس کی وضاحت بھی کر چکے ہیں۔ کہ خود یہی عبارت اجماع امت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ ان تمام امور کے پیشِ نظر سب سے پہلے تو "اجماع صحابہؓ" کی سند کا مطالبہ ہی نادرست ہے۔ اس لئے کہ اس مطالبہ کی تہ میں یہ بر خود غلط تصور کارفرما ہے کہ صحابہ کرامؓ خدا و رسول اور کتاب و سنت کے منشا کے خلاف پر جمع ہو سکتے ہیں، اسلام میں اس تصور ہی کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اس نظریہ کا حامل بقول شاہ صاحبؒ:

زندیق است، او را سے باید بقتل رسانید "زندیق ہے، اسے سزائے موت ہونی چاہیئے" (ازالۃ الخفاء صفحہ ۹۹ ج ۱)

اور اگر (شاہ صاحبؒ کے بقول) اس زندیقانہ مطالبہ کو ایک سیکنڈ کے لئے صحیح بھی فرض کر لیا جائے، تو اس کا جواب خود ان کی اپنی عبارت میں موجود ہے، چنانچہ آگے چل کر الاقرب فالاقرب کی بحث میں وہ فرماتے ہیں۔ ("دوسرے اصول- الاقرب فالاقرب- کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن کریم کی آیت سے مستنبط ہے، للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون") اب یہ بحث تو اسی جگہ آئے گی، کہ یہ قرآنِ کریم کی تصریح ہے، یا اس سے مستنبط ہے، اور یہ کہ یہ استنباط صحیح ہے یا نہیں، لیکن اتنی بات تو مقالہ نگار نے بھی تسلیم کر لی ہے کہ یہ مسئلہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے مستنبط قرار دیا گیا ہے، پس "سند اجماع" وہی آیت ہے۔

۱؎ گذشتہ معروضات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ مقالہ نگار کی "ایسی کوئی بات نہیں" کی بات محض "بات بنانا" ہے، مگر ع ——— کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے۔

۲؎ قرآن کی سند خود ان کے اقرار سے ثابت کی جا چکی ہے، اور حدیث کی سند کیلئے "الاقرب فالاقرب" کی بحث کا ذرا سا انتظار فرمائیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ کیا ایسے کسی اجماع یا اتفاق کو جو قرآن و حدیث سے مستند یا مستنبط نہ ہو حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں (کیونکہ یہ بات کسی دوسرے آدمی کے بس کی بات نہیں تھی اسے شاہ صاحبؒ جیسا آدمی ہی کہہ سکتا تھا۔) اسبابِ تحریف میں سے ایک سبب شمار نہیں کیا جائے گا۔ (فکر و نظر جلد ۳ شمارہ ۴ ص ۳۰۸ تا ۳۱۰)

۱ بے مایہ پاسنگ کو دنیا بھر کے پہاڑوں کے ہم وزن ہونے کا خبط۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارا علم و تفقہ اپنی پوری بے مائیگی کے ساتھ اس علم و تفقہ کا پاسنگ بھی نہیں ہے، جو ہمارے فقہاء کرام کا حصہ تھا لیکن اس کے باوجود ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حضرات بہرحال انسان تھے، فرشتے اور معصوم نہیں تھے، لہذا علمی دیانت

۔۔ صحابہ، تابعین، اور ائمہ دین کے متفقہ فیصلہ کو تحریف قرار دیتا تو "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" اور ان کے رفقاء ہی کو زیب دیتا ہے، لیکن اس مسئلہ میں تو وہ "اہلِ اجماع" کو مفت میں بدنام کرتے ہیں، جیسا کہ ابھی معلوم ہو گا۔ ان حضرات کا قصور تو صرف اتنا ہے کہ وہ فیصلۂ خداوندی اور فیصلہ نبوت پر کیوں جمع رہے، اگر ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ "بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوتا" تو مقالہ نگار آپؐ کے بارے میں کیا فرمائیں گے۔؟ اور خود اپنے متعلق ان کا کیا فتویٰ ہو گا۔؟ مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا تھا ۔۔۔ بے ادب محروم گشت از لطفِ حق ۔۔۔ ہمیں مجتہدینِ عصرِ حاضر کی حرماں نصیبی پر رحم آتا ہے۔ جو بیک جنبشِ قلم نہ صرف اوّل سے آخر تک پوری امت پر تحریف کا فتویٰ صادر کرتے ہیں، بلکہ ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس لپیٹ میں لے آتے ہیں۔ قاتلہم اللہ انّٰی یوفکون۔

۲۔ اگر یہ فقرہ مقالہ نگار کا تکلف، بناوٹ اور تصنع محض نہیں تو کیا ان کے "بے مایہ علم و تفقہ" سے دریافت کیا جا سکتا ہے، کہ جس "بے مایہ پاسنگ" کی شیخی اور تعلّی میں دنیا بھر کے سر بفلک پہاڑوں کے ہم پلہ نکلنے بلکہ ان سے بھاری ثابت ہونے کی خواہش چٹکیاں لے رہا ہو، یا جو شخص "بسلامتی ہوش و حواس" اسی "بے مایہ پاسنگ" کی غلط اندیشی تعلّی کے فریب میں آکر دنیا بھر کے پہاڑوں سے اسے بھاری ثابت کرنے پر ایک سو ایک دلائل پیش کر دے، ان دونوں کیلئے ادارہ تحقیقات کے لغاتچہ میں کونسا لفظ وضع کیا گیا اور اس کے پیش کردہ دلائل کا مرتبہ عقلاء کی عدالت میں کیا ہو گا۔؟ ع چراغِ مردہ کجا و آفتاب کجا۔

۳۔ یہ بظاہر خوشنما عقیدہ اکثر زنادقہ کی طرف بکثرت دہرایا جاتا رہا ہے، لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اگر سلف سے خلف تک پوری کی پوری امت کا مجموعہ بھی مقالہ نگار کی بارگاہِ عالی میں غلطی سے محفوظ ثابت نہیں ہوتا، تو ان کے واسطہ سے نقل شدہ قرآن اور اسلام دونوں کیسے محفوظ رہے، اور اگر یہ دونوں بھی اپنے غیر محفوظ ناقلین کی بدولت معصوم نہیں، تو غیر معصوم پر ایمان لانے کا حکم کیوں ہے، اور کیسے ہے؟

پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں، کہ اگر تمام صحابہ، تابعین، فقہاء اور پوری امت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تقاضا یہی ہے۔ کہ مسائل کی تحقیق میں ہم ان جذبات[1] سے بلند ہو کر غور و فکر کریں (ایضاً ص۲۰۳)

امام ابوبکر جصاصؒ قابل اعتماد ہیں | ہم نے شیخ الاسلام امام ابوبکر جصاص رازیؒ کے اقتباسات اس لئے پیش کر دیئے ہیں، کہ وہ فقہ حنفی کے ایک جلیل القدر امام ہیں۔ ان کے ارشادات ہمارے علماء کرام کے نزدیک بھی مسلمات[2] کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (فکر و نظر جلد ۳ ش ۵ ص۳۰۳)

آئندہ مباحث میں مقالہ نگار کی تحقیقات کا ماخذ | "الاقرب فالاقرب" کی یہ بحث اور اسکی مثالیں مولانا حافظ محمد اسلم صاحب[3] جیراجپوری کے رسالہ "محجوب الارث" سے مستفاد ہیں۔ (فکر و نظر جلد ۳ ش ۶ ص۴۰۹)

کا مجموعہ بھی معصوم نہیں تو "مقالہ نگار اینڈ کمپنی" کو فرشتہ معصوم ہونے کا پروانہ کہاں سے اور کب سے مل گیا ہے۔؟ اور اگر مقالہ نگار اپنے اور اپنی جماعت کے لئے بھی فرشتہ معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ان کی "پوری مانگی" سے بظاہر یہی واضح ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ پوری امت کی بجائے غلط کار، تحریف کنندہ، جی حضوری کرنے والے اور "قرآنی فہم سے ناآشنا" قسم کے معززالقاب، ہم ان ہی پہ کیوں چسپاں نہ کریں۔ جن کی پوری امت کے خلاف جرح سے دین میں رخنہ اندازی کا چوپٹ کھلتا ہے،

[1] مقالہ نگار ہمیں معاف رکھیں، یہ نری جذباتی بات نہیں۔ بلکہ شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً یہ اصولی بحث ہے، خود سوچئے کہ آج کے جمہوری دور میں پوری امت کے مقابلہ میں آپ کی تحقیقات کون قبول کرے گا۔

[2] بلاشبہ امام جصاصؒ کی شخصیت قابل اعتماد ہے، مگر جب وہی صحابہ و تابعین کا اجماع نقل کرتے ہیں کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوتا، تو کیا وجہ ہے کہ مقالہ نگار "فقہ حنفی کے جلیل القدر امام، شیخ الاسلام امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ" کی اس نقل پر اعتماد کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ لن یصلح العطار ما افسدہ الدہر۔

[3] جب علم فرائض جیسے دقیق مباحث میں مقالہ نگار کے راہنما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین، اور فقہاء مجتہدین کی جگہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری ایسے بزرگ ہوں تو ان کی سرگردانی کی توجیہ کیا مشکل ہے۔ مقالہ نگار کی منقبت میں مدیر فکر و نظر کا درج ذیل خراج تحسین ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرمائیے،

"ہمارے فاضل دوست کے طرز تحریر کا امتیازی وصف یہ ہے، کہ وہ مسئلے کے ہر گوشے پر شرح و بسط کیساتھ روشنی ڈالتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنی ذاتی تنقید کو ائمہ سلف کی تنقیدات کا ہمیشہ تابع رکھتے ہیں" جلد ۲ ش ۶ ص۵

اور پھر ہمیں یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ:

وہ شیفتہ کی دھوم تھی حضرت کے زہد کی　　میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقسیم میراث کے شرعی اصول "ہمارے فقہائے کرام نے حجب کیلئے دو اصول مقرر کئے ہیں۔ ۱۔ اگر کوئی شخص مورث کیساتھ کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے رشتہ رکھتا ہو، وہ اس وقت تک حصہ نہیں پا سکتا جب تک وہ درمیانی واسطہ موجود ہو۔ ۲۔ حجب حرمان کا دوسرا اصول الاقرب فالاقرب کا ہے۔ یعنی قریب کا رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے۔" (فکر و نظر جلد ۳ ش ۶ ص ۴۰۷)

اصول دوم میں صحابہ، تابعین، فقہاء مجتہدین بلکہ معاذ اللہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مراد خداوندی کو نہیں سمجھا۔

"دوسرے[1] اصول کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ یہ قرآن کریم کی اس آیت سے مستنبط ہے: للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون الآیۃ (مع ترجمہ) اس آیت کریمہ میں یہ دونوں باتیں خصوصیت کیساتھ غور طلب ہیں، کہ حق تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں وہ انداز بیان کیوں اختیار نہیں

۱؎ اس بحث میں مقالہ نگار کا بیان کل تین دعووں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ الاقرب فالاقرب کا اصول قرآن کریم کی محولہ آیت سے مستنبط کہا جاتا ہے۔ ۲۔ یہ اصول ہمارے فقہاء نے نکالا ہے۔ ۳۔ یہ استنباط چونکہ قرآنی انداز بیان کے برعکس ہے اس لئے صحیح نہیں۔ آئیے ان تین دعووں پر غور کریں۔

اول ـــــ قرآن کریم کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں، تقسیم میراث کا جو اصول قرآن کریم نے بیان فرمایا ٹھیک ان ہی الفاظ کو "الاقرب فالاقرب" کے اصول میں لے لیا گیا ہے، صرف اتنا فرق ضرور نظر آتا ہے کہ قرآن نے الاقربون کے ایک ہی لفظ (بصیغہ جمع) میں تمام اقارب کو درجہ بدرجہ لے لیا ہے، اور الاقرب فالاقرب کے اصول میں اس تدریج و ترتیب کی وضاحت کے لئے دو مفرد لفظوں کے درمیان فاء تعقیب لائی گئی ہے۔ اب اس اصول کو قرآنی لفظ کی شرح و تفسیر کہنا تو بجا ہوگا۔ لیکن اسے استنباط قرار دینا (جبکہ اس اصول میں قرآن کی اصل تعبیر کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔) مقالہ نگار ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اہل علم و دانش سے اسکی توقع نہیں کی جانی چاہئے۔

دوم ـــــ یہ دعویٰ جسے بار بار مقالہ نگار نے دہرا کر غلط تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کہ یہ فقہائے کرام کا نکالا ہوا اصول ہے، قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے، یہ فقہاء کا نکالا ہوا اصول نہیں، بلکہ خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ شرح و تفسیر ہے۔ چنانچہ صحیح بخاریؒ، صحیح مسلمؒ، سنن نسائیؒ، سنن ابو داؤدؒ، جامع ترمذیؒ، سنن ابن ماجہؒ، مسند دارمیؒ، مسند احمد بن حنبلؒ، مسند امام حنیفہؒ، اور سنن دارقطنی میں مختلف، متعدد اور متواتر المعنی اسانید کیساتھ اس آیت کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے: "الحقوا الفرائض باهلها فما بقي فلاولى رجل ذكر" (قرآن وسنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا۔ جو ہمارے فقہاء نے اس آیت کریمہ سے نکالا ہے کہ " قریب ترین رشتہ داروں مردوں اور عورتوں کو اس ترکہ میں حصہ ملے گا، جو اُن کے والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ جائیں ، بلکہ اس کے برعکس یہ انداز بیان کیوں اختیار

کے مقرر کردہ حصے ان کے مستحقین کو دیدو، پھر جو مال باقی رہ جائے وہ قریب تر رشتہ دار مرد کا حق ہے ۔)
اس حدیث پاک میں " اولیٰ " بمعنی اقرب ہے ، چنانچہ شاہ صاحبؒ اس حدیث پاک پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں

(اقول) قد علمت أنّ الاصل في التوارث معنیان وقد ذکرنا هما وان المودة والرفق لایعتبر الا فی القرابة القریبة جداً ، کالام والاخوة ، دون ماسوی ذالك ، فاذا جاوزهم الامر تعین التوارث بمعنی القیام مقام المیت ، والنصرة له وذلك قوم المیت واهل نسبه وشرفه الاقرب فالاقرب ۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۲ ج ۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ بات تم کو معلوم ہو چکی ہے کہ توارث کے اندر اصل دو چیزیں ہیں ، جن کو ہم بیان کر چکے ہیں ۔ اور یہ کہ محبت وشفقت کا صرف اس قرابت میں لحاظ کیا جاتا ہے ، جو بہت ہی قریب ہو جیسے ماں اور بھائی ، ان کے ماسوٰی میں نہیں ۔ پس جب یہ موجود نہ ہوں (یا ان کے حصص ادا کرنے کے بعد بھی مال باقی رہ جائے) تو اب توریث ، میت کے قائم مقام ہونے ، اور اسکی معاونت کرنے کے اعتبار سے معین ہوگی ، اور وہ میت کی قوم اور اس کے اہل نسب وشرافت ہیں ، جن میں " الاقرب فالاقرب " کا لحاظ ہوگا۔

قرآن کریم کے لفظ " الاقربون " کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو امور کی وضاحت فرمائی ــــ
۱۔ تقویم ذوی الفروض ۲۔ اور عصبات میں الاقرب فالاقرب کے اصول کی رعایت ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی صرف زبانی تشریح پر کفایت نہیں فرمائی ۔ بلکہ عملاً اسے جاری بھی فرمایا ، اور حسن اتفاق یہ کہ اس کے اجراء کیلئے صورت بھی وہی اختیار فرمائی جس میں آج کل شغب کیا جا رہا ہے ، چنانچہ مسلم شریف کے علاوہ تمام صحاح ستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ موجود ہے ، کہ بیٹی کیلئے نصف ترکہ ہے ، پوتی کیلئے چھٹا حصہ ۔ اور باقیماندہ حقیقی بہن کا ہے ، (میت کے یہی تین وارث تھے) شاہ صاحبؒ اس فیصلۂ نبوت کی توجیہ اسطرح فرماتے ہیں :

(اقول) وذالك لان الابعد لایزاحم الاقرب فیما یحوزه فما بقی فان الابعد احق به

" میں کہتا ہوں کہ وجہ اسکی یہ ہے ، کہ ابعد (دور کا رشتہ دار) اقرب (نزدیک کے رشتہ دار) سے اس کے حصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا ہے۔ کہ "مردوں اور عورتوں کو اس ترکہ میں سے حصہ ملے گا، جو ان کے والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ جائیں" نیز یہ بات کچھ کم غور طلب نہیں کہ قرآن کریم نے "الاقربون" کی موجودگی میں جو اپنے مفہوم کے لحاظ

حتّٰی یستوفی ماجعل اللّٰہ لذالک	میں مزاحم نہیں ہو سکتا، البتہ جو مال باقی رہ جائے،
الصنف، فالابنۃ تاخذ النصف	البعد اس کا حقدار ہے تاآنکہ حق تعالیٰ نے جو کچھ اس
کملاً، وابنۃ الابن فی حکم البنات	صنف کیلئے مقرر فرمایا اسے حاصل کرلے، پس
فلم تزاحم البنت الحقیقۃ واستوفت	بیٹی (چونکہ پوتی کی بنسبت اقرب ہے اس لئے وہ)
مابقی من نصیب البنات، ثم	پورا نصف لے گی، اور پوتی بیٹیوں کے حکم میں داخل
کانت الاخت عصبۃ لان فیھا	تو ہے (مگر چونکہ ابعد ہے) اس لئے وہ حقیقی بیٹی
معنی من القیام مقام البنت وھی	سے مزاحمت نہیں کرسکتی اور بیٹیوں کا باقی ماندہ
من اھل شرفہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۲ ج ۲)	حصہ (۱/۶) حاصل کرے گی، پھر بہن عصبہ ہے،

کیونکہ اس میں بیٹی کے قائم مقام ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں، اور وہ میت کے اہل شرف میں سے بھی ہے۔"

پھر قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اصول "الاقرب فالاقرب" کی روشنی میں صحابہ کرامؓ نے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کے وارث نہ ہونے کا کھل کر "اجماعی فتویٰ" دیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور سلیمان بن ربیعہ کی مہر تصدیق کے ساتھ تو اسی مذکورہ بالا حدیث میں مذکور ہے، اور حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ صحیح بخاری میں موجود ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بات تو تقریباً ہر خاص وعام کو معلوم ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو علم فرائض کی سند عطا کرتے ہوئے فرمایا تھا "افرضکم زید" (تم سب میں علم فرائض کے سب سے بڑے عالم زید ہیں) مگر یہ بات شاید کم لوگوں کو معلوم ہوگی، کہ علم میراث کی مشکلات حل کرانے کیلئے خلیفہ راشد امیرالمؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود بنفس نفیس زید بن ثابت کے در دولت پر حاضری دیا کرتے تھے، اور ان کے فتویٰ کو سند اور حجت مانتے تھے۔ (ملاحظہ ہو کنز العمال میراث الجد) ان حقائق کے پیش نظر نکرہ نظر کے "فقیہ مقالہ نگار" سے سوال کیا جاسکتا ہے۔ کہ "الاقرب فالاقرب" کا اصول بیچارے فقہاء کرام کا نکالا ہوا ہے، یا صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ ہے۔؟ اور بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو وارث قرار نہ دینے کی وجہ سے، کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے تمام قریب رشتہ داروں کو شامل ہے، جس میں ظاہر ہے کہ والدین بھی بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔ "الوالدان" کی جداگانہ صراحت کو کیوں ضروری سمجھا۔ صرف "الاقربون" کے لفظ پر کیوں اکتفا نہیں فرمایا۔؟" (فکر و نظر جلد ۳ ش ۶ ص ۴۰۸)

ان تمام حضرات کی "جی چاہی" بات

مسائلِ میراث[1] کے عمیق مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، کہ ہمارے فقہاء کرام نے یہ قانون تو مستنبط فرما لیا ہے، لیکن اس کے نفاذ میں انہوں نے کسی باقاعدگی کو مدنظر نہیں رکھا، بلکہ

حضرت عمرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، سلیمان بن ربیعہ اور ان کے فتاویٰ کو قبول کرنے والے تمام صحابہؓ اور خود شاہ صاحبؒ پر بھی تحریف کی زبانِ طعن دراز کرنے کی جراءت فرمائیں گے۔؟ مقالہ نگار کا تیسرا دعویٰ یہ تھا کہ الاقرب فالاقرب کا اصول چونکہ قرآنی تعبیر "الاقربون" کے برعکس ہے، اس لئے یہ صحیح نہیں، اس کا کافی جواب تو یہ ہے، کہ یہ اصول خود صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ ہے، فقہائے کرام تشریحِ نبویؐ سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے، اس لئے مقالہ نگار کی تمام تر جرح و تنقید کا اصل نشانہ فقہاء کرام کے مقتدا ——— اور امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرار پاتے ہیں (معاذ اللہ منہ) اور شافی جواب یہ ہے کہ اگر مقالہ نگار اتنا بھی نہیں جانتے تو ان دقیق مباحث پر خامہ فرسائی کی کیوں زحمت اٹھائی کہ قرب و بعد نسبتِ متکررہ ہیں، جب آپ زید کو عمر کا اقرب قرار دیں گے، تو لامحالہ عمر و زید کا اقرب قرار پائے گا، پس اگر بیٹا، پوتے کی نسبت اقرب الی المیت ہے، تو میت بھی پوتے کی نسبت بیٹے کی اقرب ہو گی، یہ عجیب و غریب فلسفہ کسی نے کب سنا ہو گا، کہ بیٹا تو بلاشبہ اقرب ہے، لیکن مرنے والا اپنے بیٹے کا اقرب نہیں، بلکہ اس کا قرب بیٹے اور پوتے کیساتھ یکساں ہے ... اس سے معلوم ہو گیا ہو گا، کہ مورث کو اقرب کہا جائے، یا وارث کو دونوں کا مآل صرف ایک ہے، البتہ جہاں علتِ توریث کو ذکر کیا جائے گا۔ وہاں مورث کی اقربیت ذکر کی جائیگی اور جہاں علتِ توارث کا ذکر چھڑے گا وہاں اقربیت وارث کا ذکر ہو گا۔

[1] مسائلِ میراث کا عمیق مطالعہ تو جیراجپوری صاحب کے محجوب الارث سے استفادہ ہی سے ظاہر ہے، رہا فقہائے کرام کے بارے میں "جی چاہا" کا افسانہ اسکی حقیقت سابقہ معروضات سے کھل گئی ہو گی، مقالہ نگار کے وارد کردہ نقوض کا حل بھی ان ہی گذارشات سے بادنیٰ تامل معلوم کیا جا سکے گا ورنہ نادان کیلئے ایک دفتر بھی ناکافی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں ان کا "جی چاہا" اس قانون کو نافذ فرمالیا اور جہاں ان کا جی چاہا اسے نظر انداز کر دیا۔ (جلد ۳ ش ۴ ص ۴۰۸)

الاقرب فالاقرب کا ماڈرن مفہوم "اگر اس قانون کو صحیح ماننا ہے تو ہمیں اس کا ایسا مطلب لینا ہوگا جس سے یہ قانون ہر جگہ فٹ بیٹھ جائے، اس لئے لازماً اس قانون کا یہی اور صرف یہی مطلب لینا ہوگا کہ "اقرب" وہ رشتہ دار ہے جو بلاواسطہ میت سے رشتہ رکھتا ہو یا بالواسطہ رشتہ رکھتا ہو، لیکن مورث کی وفات کے وقت وہ واسطہ باقی نہ رہا ہو" (ص ۲۱۵)

نتیجہ! نتیجہ!! نتیجہ!!! لہٰذا ہم نہایت "دیانت داری" کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ یتیم پوتوں کی اپنے دادا کی وراثت سے محرومی کسی صحیح بنیاد پر مبنی نہیں ہے، لہٰذا ہمیں اپنی فقہ کی اس فروگذاشت کو تسلیم کر کے ان مظلوموں کیساتھ انصاف برتنے میں کسی قسم کی "علمی عصبیت" کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہئے، اور ہمیں کھلے دل کیساتھ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ یتیم پوتے اپنے دادا کی میراث سے حصہ پانے کے ہر اعتبار سے مستحق ہیں۔ انتہی (ص ۲۱۷ آخری فقرہ)

۱۔ مقالہ نگار قرآن و سنت اور اجماع صحابہ کے مقرر کردہ اصول کو صحیح مانیں یا نہ مانیں یہ ان کا اپنا "ایمانی معاملہ" ہے۔ البتہ فٹ آتی پھانسی دینا عقلاء جانتے ہیں کہ کہاں ہوتا ہے۔

۲۔ مقالہ نگار صاحب جیراجپوری صاحب کی تقلید میں کتاب و سنت، صحابہ و تابعین، اور فقہاء مجتہدین کے اعتماد کو تو جواب دے ہی چکے تھے، لیکن "الاقرب فالاقرب" کا ماڈرن مفہوم بیان کرتے بیٹھے تو ہدایت عقلیہ کو بھی خیر باد اور خدا حافظ کہہ گئے، یعنی یہ اقرار ہے کہ بیٹا بلاواسطہ رشتہ دار ہے۔ اور پوتا بالواسطہ رشتہ رکھتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اصرار ہے۔ کہ عقل و خرد کے علی الرغم ان دونوں کو ایک ہی درجہ میں "اقرب" قرار دیا جائے، عجب نہیں کہ ان کی اس تحقیق پر یتیم پوتوں کو بھی ہنسی آجائے۔

۳۔ مقالہ نگار کی "نہایت دیانتداری" سر آنکھوں پر، لیکن معاف کیجئے ہم اس سے پہلے "نہایت دیانتداری" کیساتھ قسمیں کھانے والے کے فریب کو آزما چکے ہیں۔ (وقاسمهما انی لکما لمن الناصحین) اس لئے ہم خدا و رسول کے احکام کے مقابلہ میں نہ تو کسی کی "نہایت دیانتداری" پر اعتماد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، نہ کسی کی عقل و خرد پر۔

۴۔ فقہ اور فقہاء کی فروگذاشت نہیں بلکہ جرأت سے کام لیجئے اور اسلام اور صاحب اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرضی فروگذاشتیں لوگوں کو تسلیم کرائیے، کیونکہ فقہاء کرام تو محض صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سر و چشم کی تعمیل کر رہے ہیں، ان بے چاروں پر برسنا تو ایسا ہی ہوگا، کہ زید کی عداوت میں اسکے نشان قدم کو پیٹنا شروع کر دیا جائے۔

۵۔ لیکن کیا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین نے ان فرضی مظلوموں کو محروم کر کے انصاف نہیں کیا۔؟

۶۔ فقہاء پر "علمی عصبیت" کا الزام مقالہ نگار کو مبارک ہو، یہ علمی عصبیت نہیں۔ بلکہ "ایمانی تقاضا" ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

© rasailojaraid.com